تفسیر قرآن کا لغوی منہج: ضیاء القرآن کا خصوصی مطالعہ

The Lexical Methodology of Qur'ānic Interpretation: A Special Study of "Ziā-ul-Qur'ān"

Muahhamd Irfan [1]
Farhana Hanif [2]
Dr. Muhammad Shahbaz Manj[3]

Abstract

This article studies the lexical methodology adopted Pir Karam Shah al-Azharī in the in his tafsīr "Ziā-ul-Qur'ān". "Ziā-ul-Qur'ān" is a complete tafsīr from Surah al-Fātihah to Surah al-Nās. This remarkable tafsīr is no less than a blessing for the Urdu speaking class. It has five volumes and 3580 pages. The article highlighting the peculiarities of the referred tafsīr focuses its lexical nature. It finds that the author has made very important discussions relevant to the under-discussion methodology of Qur'ānic interpretation. It argues that the referred style has made it very easy to understand the relevant verses and words of the Qur'ān.

Keywords: Pir Karam Shah, Ziā-ul-Quran, lexical methodology

ضیاء القرآن کے مولف کا تعارف

مفسر قرآن پیر محمد کرم شاہؒ یکم جولائی 1918ء بمطابق 12 رمضان المبارک 1336 ہجری، بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کا معروف مذہبی اور علمی گھرانے سے تعلق ہے۔ باری تعالی نے آپ کو بڑی غیر معمولی فطری صلاحیتوں سے نواز رکھا تھا۔ آپ کو اپنے زمانے کے معروف دینی اداروں میں جید علماء کرام اور اساتذہ کرام سے استفادہ کرنے کا موقعہ ملا۔ رسمی تعلیم میں آپ نے پرائمری، میٹرک، ایف۔اے اور بے۔اے پاس کیا۔ 1941ء میں آپ نے اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فاضل عربی کا امتحان اچھے نمبروں میں پاس کیا اور 600 میں سے 512 نمبر حاصل کرتے ہوئے 85 فیصد کے ساتھ پہلی پوزیشن حاصل کی۔ مذہبی گھرانہ ہونے کی وجہ سے دینی تعلیم کا آغاز قرآن کریم سے کیا گیا۔ علوم اسلامیہ و عربیہ کا آغاز مولانا محمد قاسم بالاکوٹی سے کیا۔ دیگر متنوع علمی اور مختلف علاقائی پس منظر رکھنے والے اساتذہ کرام سے درس نظامی کی کتب پڑھیں۔ اور 1943ء میں مراد آباد کے صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کے زیر سایہ دورہ حدیث مکمل کیا اور دستار کی فضیلت حاصل کی۔ تصوف اور اسلام کے معاشرتی و اخلاقی نظام کی بنیادی تعلیمات سید محمد نعیم الدین مراد آبادی سے حاصل کیں۔ اس کے بعد آپ کچھ عرصہ دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ میں تدریسی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے۔ پھر جولائی 1951ء میں آپ حصول تعلیم کے لیے مصر جامعہ ازہر روانہ ہوگئے۔ جامعہ قاہرہ میں بھی کچھ عرصہ مقیم رہے اور وہاں کے جید اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی۔

[1]. PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat
[2]. PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat
[3]. University of Sargodha, Sargodha

قیام مصر کے دوران ہی منکرین سنت کی سرکوبی میں معروف تصنیف، سنت خیر الانام، مرتب فرمائی۔ پاکستان واپس آکر آپ نے علمی وروحانی اور عملی اعتبار سے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور ایک بلند مقام حاصل کیا۔ ملک کے کئی ایک مؤقر اداروں کے ممبر بھی رہے۔ 1957ء میں دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز کیا۔ 1970ء میں صحافت کی دنیا میں ماہنامہ ضیائے حرم کا آغاز کیا۔ آپ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ٹرسٹ لاہور کے صدر، ضیائے حرم کے مدیر اعلی، جنرل ضیاء الحق کے دور میں مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے ممبر، چیئرمین رویت ہلال کمیٹی، جج وفاقی شرعی عدالت اور ممبر وفاقی علماء بورڈ کے علاوہ دیگر سرکاری مناصب پر فائز رہے، ممبر قائد اعظم یونیورسٹی سینڈیکیٹ اور سینٹ رہے۔ آپ کا شمار پاکستان کی ان ہستیوں میں ہوتا ہے جن کا بلا امتیاز تمام دینی و مذہبی حلقوں میں احترام کیا جاتا ہے۔ آپ نہایت معتدل اور متوازن مزاج کے مالک تھے۔ نہایت غیر جانبداری اور نہایت متوازن نقطہ نظر بیان کرتے۔ آپ کی تفسیر ضیاء القرآن، سیرۃ النبی ﷺ پر معرکۃ الآراء کتاب ضیاء النبی کو بلخصوص اعلیٰ تحقیق کا نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ 7 اپریل 1957ء بمطابق 9 ذی الحجہ 1418 ہجری اسلام آباد میں اس فانی دنیا سے رحلت فرما گئے۔ بھیرہ شہر میں مسجد امیر السالکین کے ساتھ ملحقہ مزار میں اپنے والد گرامی پیر محمد شاہ کے ساتھ مدفن ہیں۔

تفسیر ضیاء القرآن کا تعارف

تفسیر ضیاء القرآن سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک مکمل تفسیر ہے جو کہ اردو دان طبقہ کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں اس کی پانچ جلدیں ہیں اور 3580 صفحات ہیں۔ تفسیر میں انداز بیان نہایت سہل اور عام فہم اختیار کیا گیا ہے تاکہ عام قاری کو آسانی سے سمجھ آسکے اور قرآنی مفاہیم اس کے دل و دماغ میں راہ پاسکیں۔ پیر کرم صاحب نے ہر سورۃ کا ایک مقدمہ بنایا جس میں سورۃ کا نام، زمانہ نزول، تعداد آیات والفاظ و حروف اور سورۃ کے مضامین کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد سورۃ کو شروع کرتے ہیں۔ قرآنی کلمات کو ذکر کر کے ان کے تحت اردو زبان میں معانی مفہوم اور ان کے ترجمہ کرتے ہیں۔ اہم مقامات پر نمبر لگا کر جدید و قدیم کتب تفسیر سے احادیث نبویہ اقوال صحابہ و تابعین اور علماء کی آراء بھی ذکر کرتے ہیں۔ لغات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے احادیث، آثار اور لغت کے علاوہ عربی و فارسی اور اردو اشعار کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور اکثر صوفیائے کرام کے ارشادات پر اعتماد کرتے ہیں۔ مفسر اپنی تفسیر میں معاشرتی خرابیوں پر خصوصی توجہ کرتے ہوئے خوب تنقید بھی کرتے ہیں۔ گمراہ فرقوں کا رد بھی کرتے ہیں اور اپنے مسلکی نظریات کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی تفسیر میں سنت مطہرہ کی طرف توجہ مبذول کروائی لیکن ضعیف آثار کی چھان پھٹک نہیں کی گئی۔ اپنے دور میں اصل مصادر بآسانی دستیاب ہونے کے باوجود ثانوی مصادر سے کام لیا۔ البتہ کئی ایک مقامات پر نحوی مسائل اور صرفی بحث ضرور کی گئی ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن میں مرحوم مفسر نے لغوی منہج کا بہت عمدگی سے خیال رکھا ہے ذیل میں تفسیر ضیاء القرآن کے سپارہ نمبر 1 سے لے کر سپارہ نمبر دس تک لغوی منہج کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

پیر کرم شاہ ازھری کا سورہ فاتحہ کا لغوی منہج

1. الرحمان اور الرحیم کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ دونوں اسم مبالغے کے صیغے ہیں اور رحمت الٰہی سے مراد اس کا وہ انعام و اکرام ہے جس انعام سے اللہ نے اپنی مخلوق کو سرفراز فرماتا ہے۔ وجود، زندگی، علم، حکمت، قوت، عزت اور نیک عمل کی توفیق سب اس کی رحمت کا ثمر ہے۔ یہ اس کی بے پایاں رحمت ہی ہے جس نے کسی حق کے بغیر

انسان کی جسمانی اور روحانی غذا کے سامان فراہم فرمادیئے۔ یہ اس کی بے حد و بے حساب رحمت ہی ہے کہ ہماری لگاتار ناشکریوں اور نافرمانیوں کے باوجود وہ اپنے لطف و کرم کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ قرآن اللہ کی جس صفت کا سب سے پہلے ذکر کرتا ہے وہ صفت قہار و جبار کی نہیں بلکہ صفت رحمان و رحیمی ہے۔ یہ اس لیے کہ بندہ کا جو تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اس کا دارومدار خوف و ہراس اور رعب و دبدبہ پر نہیں ہے۔ بلکہ رحمت و محبت پر ہے۔ کیونکہ یہی وہ اکسیر ہے جس سے انسان کی پوشیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں۔ انسان اپنے آپ کو عیاں دیکھ لے اس کی رحمت کا وسیع دامن کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے آغوش لطف و کرم میں لیے ہے۔ اسلام کا خدا سفاک نہیں بلکہ الرحیم ہے اس کی رحمت کا بادل ہر وقت جاری رہتا ہے۔"[4]

سورہ فاتحہ ہی سے رَبِّ الْعَالَمِينَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رب علم نحو میں مصدر ہے اور اس کا مطلب ہے تربیت، کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد و فطری صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبہ کمال تک پہنچانا، اللہ کی بیشمار نعمتوں سے نعمت کرنے کے اعتبار سے اعلیٰ ترین نعمت تربیت ہے۔ حمد کے فوراً بعد اس کا ذکر فرما کر تعریف کرنے والے کو یاد دلایا کہ جس کی تو تعریف بیان کر رہا ہے وہ رب ہی ہر تعریف کے لائق ہے کیونکہ اسی نے تجھے کمزوری سے قوت دی بیماری سے صحت دی۔"[5]

العَالَمِينَ کی تفسیر:

2. عالمین کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "عالمین عالم کی جمع ہے۔ اور یہ ماخوذ ہے علم بمعنی علامت و نشانی سے۔ کیونکہ ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کا پتہ دیتی ہے۔ نیز اس میں اس لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا خدا کسی خاص قوم، نسل اور وطن کا خدا نہیں تا کہ اس کی نوازشات کسی خاص قوم و نسل کے ساتھ ہی مخصوص ہوں۔ بلکہ اس کی ربوبیت کا رشتہ کائنات کی ہر شے کے ساتھ یکساں ہے۔ اور اسی لئے اس کے لطف و احسان کے سب مساوی طور پر حق دار ہیں۔ بشرطیکہ وہ اس کے احکام کی بجاآوری سے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دیں۔"[6]

مَالِكِ کی تفسیر میں لغوی منہج:

3. مَالِكِ کی تفسیر میں لغوی منہج کرتے ہوئے مفسر فرماتے ہیں:

"مالک کہتے ہیں المتصرف فی الاعیان المملوکۃ کیف شاء بیضاوی وہ ہستی جو اپنے ملک میں جو چاہے کر سکے۔ اس لفظ سے ان عقائد باطلہ کی تردید ہوگئی جن میں ہندوستان کے مشرک اور کسی دوسری قومیں مبتلا تھیں یعنی خدا ہر مجرم کو سزا دینے پر مجبور ہے اسے معاف کرنے کا ہرگز اختیار نہیں۔ قرآن نے فرمایا وہ مالک و مختار ہے اور ہر چیز جن وانس سب

[4] پیر محمد کرم شاہ ازہری، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1995ء، ج1، ص21
Pir Muhammad Karam Shah Al-Azharī, *Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān*, Ziā-ul-Qur'ān Publications Lahore, 1995, 21/1

[5]. ایضاً، ج1، ص22 Ibid, 22/1

[6]. ایضاً Ibid

اس کی ملکیت ہیں۔ جیسے چاہے ان سے سلوک فرمائے۔ اگر مجرم کو سزا دینا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اگر بخشنا چاہے تو اسے کوئی ٹوک نہیں سکتا۔"[7]

الدِّینِ کی تفسیر:

4. الدِّینِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دین کا معنی ہے حساب اور جزاء۔ لبید کہتا ہے حصادک یوما ما زرعت وانما۔ یدان الفتی یوما کما هود ائن ثواب و عذاب کی تعبیر لفظ، دین، سے کی تا کہ پتہ چلے کہ یہ ثواب و عذاب بلاوجہ نہیں بلکہ ان کے اپنے اعمال کا طبعی ثمر ہے جس سے مفر نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انسان گناہوں کی لذت میں کھو کر ان برے نتائج سے بے خبر نہ ہو جائے جو رونما ہو کر رہیں گے۔ اپنی عمر ناپائیدار اور اس کی فناپذیر راحتوں اور عزتوں پر مغرور ہو کر اس دن کو نہ بھول بیٹھے جب کہ انصاف کے ترازو میں اس کا ہر چھوٹا بڑا نیک و بد عمل تو لا جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ رب ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ لیکن اس کی یہ صفت کمال بھی ہر وقت پیش نظر رہے کہ وہ عادل ہے۔ حق تو یہ ہے کہ عدل کے بغیر اس کی صفات ربوبیت و رحمت کا کامل ظہور ہو ہی نہیں سکتا۔ کان کھول کر سن لو وہ دن آنے والا ہے جب سطوت و جبروت کے سب موہوم پیکر مٹ جائیں گے۔ اکڑی ہوئی سب گردنیں جھک جائیں گی۔ ظاہر و باطن میں اسی کی فرمانروائی ہو گی جو حقیقی فرماں روا ہے۔"[8]

اهْدِنَا کی تفسیر:

5. اهْدِنَا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لغت میں ہدایت کا معنی ہے لطف و عنایت سے کسی کو منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ الهداية دلالة بلطف۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے بیان کے بعد، اس کے مسلسل انعامات کے اعتراف کے بعد، اپنی عبودیت اور ناتوانی کا اعلان کرنے کے بعد انسان اب اپنے رحمن و رحیم رب کے حضور میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلا کر گویا عرض کرتا ہے۔ میں کمزور ہوں۔ نفس کی فریب کاریاں اور شیطان کی وسوسہ اندازیاں بہت شدید ہیں۔ خود تو میری دستگیری فرما اپنے لطف و کرم سے مجھے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی سے چلتے رہنے کی توفیق بخش اور اپنی رضا کی منزل تک پہنچا۔ قرب و وصال الٰہی کے اس مقام پر پہنچ کر مومن تنہا اپنی ذات کے لئے ہدایت طلب نہیں کرتا بلکہ ساری امت محمدیہ کے لئے ہدایت کا طلب گار ہے۔ کہا ہے اهدنا ہم سب کو ہدایت دے۔ کیونکہ اگر ہدایت اسلام چند افراد تک محدود رہے گی تو اس کی عالمگیر برکات و فیوض کا اظہار کیونکر ہو گا۔ شرق و غرب میں انسان جن میں گمراہیوں میں ٹھوکریں کھا رہا ہے ان سے کیونکر چھٹکارا پا سکے گا۔"[9]

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کی لغوی تفسیر:

---

[7] ایضاً، ج 1، ص 23 — Ibid, 23/1

[8] ۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج: 1، ص: 24 — *Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān*, 24/1

[9] ایضاً — Ibid

6. المغضوب اور الضالین کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جمہور علماء کے نزدیک مغضوب سے مراد یہودی ہیں اور ضالین سے مراد عیسائی ہیں۔"[10]

2.3.3 سورہ البقرہ میں سے تفسیر ضیاء القرآن کے لغوی نکات:

حروف مقطعات الم کی تفسیر:

7. حروف مقطعات الم کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" الف۔ لام ۔میم ۔ مفسرین کرام نے ان حروف کی تشریح کرتے ہوئے متعدد اقوال تحریر فرمائے ہیں۔ میرے نزدیک احسن قول یہ ہے کہ الم اور دیگر حروف مقطعات سر بین اللہ ورسولہ۔ یہ وہ راز ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ہیں۔ صاحب روح المعانی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ فلا یعرفہ بعد رسول اللہ ﷺ الا الاولیاء الورثۃ فھم یعرفعنہ من تلک الحضرۃ وقد تنطق لھم الحروف کما کانت تنطق لمن سبح فی کفہ الحصی یعنی ان حروف کا صحیح مفہوم نبی کریم جانتے ہیں اور اولیاء کاملین۔ ان کو یہ علم بارگاہ رسالت سے عطا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ حروف خود اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اس ذات پاک سے گویا ہوتے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی۔"[11]

ذٰلک الکتاب کی تفسیر:

8. ذَٰلِكَ الْكِتَابُ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس آیت سے قرآن مجید مراد لیا گیا ہے۔ ذلک اگرچہ عام طور پر لغت میں دور کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن قریب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ترجمہ میں نزدیک معنی کا اور مرتبے کا بھی خیال رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے۔"[12]

ھُدًی لِّلْمُتَّقِین کی لغوی تفسیر:

ھُدًی لِلْمُتَّقِینَ کی لغوی تفسیر میں فرماتے ہیں

"تقویٰ کا لغت میں تو یہ معنی ہے جعل النفس فی وقایۃ مما یخاف۔ یعنی نفس کو ہر ایسی چیز سے محفوظ کرنا جس سے ضرر کا اندیشہ ہو۔ عرف شرع میں تقویٰ کہتے ہیں ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانا۔ اس کے درجے مختلف ہیں۔ ہر شخص نے اپنے درجہ کے مطابق اس کی تعبیر فرمائی ہے۔ میرے نزدیک سب سے موثر اور آسان تعبیر یہ ہے۔ التقوی ان لا یراک اللہ حدیث نھاک ولا یفقدک حیث امرک۔ یعنی تیرا رب تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں جانے اس نے تجھے روکا ہے اور اس مقام سے تجھے غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے تجھے حکم دیا ہے۔"[13]

---

[10] ایضاً، ج:1، ص:26 — Ibid, 26/1

[11] تفسیر ضیاء القرآن، ج1، ص29 — *Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān*, 29/1

[12] ایضاً، ج1، ص29 — Ibid

[13] ایضاً، ج1، ص30 — Ibid, 30/1

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ کی لغوی تفسیر:

9. وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" الرزق فی اللغۃ النصیب والعطاء ویطلق علی الحسی والمعنوی (المنار) . لغت میں رزق کہتے ہیں حصہ اور بخشش کو خواہ حسی ہو یا معنوی۔ مال، اولاد، علم و معرفت اس لحاظ سے سب رزق ہیں۔ اور یہاں بھی رزق کا یہی لغوی معنی مراد ہے۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے مال وجاہ ہو، علم و عرفان ہو کسی کا اپنا نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس میں ہے کہ وہ اس میں بخل نہ کرے۔ بلکہ جو ان نعمتوں سے محروم ہیں ان میں تقسیم کرتا رہے۔ دولت مند اپنی دولت سے، عالم اپنے علم سے اور عارف اپنے روحانی فیوضات سے مستحقین کو مالا مال کرے۔ یہ فیض عام متقین کی تیسری علامت ہے۔"[14]

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ کی تفسیر:

10. وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایقان کہتے ہیں اتقان العلم بانتفاء الشک والشبهة عنه۔ یعنی علم کی وہ پختگی جس میں شک و شبہ کا گزر نہ ہو۔ اور جب کسی چیز یا حقیقت کا علم اتنا پختہ ہو جاتا ہے تو وہ عقل، دل اور ارادہ کو مسخر کر لیتا ہے۔ انسان اس کے خلاف نہ کچھ سوچ سکتا ہے اور نہ کچھ کر سکتا ہے جب روز جزاء کے ساتھ کسی کا علم و یقین اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو عمل کی شاہراہ پر ہر قدم اٹھانے سے پہلے وہ ان نتائج کا اندازہ لگا لیا کرتا ہے جو اس پر مرتب ہونے والے ہیں۔ ہمیں اپنے قول و عمل میں جو افسوسناک تضاد دکھائی دے رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں قیامت پر وہ ایقان نہیں جو اپنی قوت سے ہمارے عمل کو ہمارے قول سے ہم آہنگ کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روز جزاء پر یقین بخشے تاکہ قول و عمل کی یہ کشمکش ختم ہو جس نے ہمیں ذلت کی پستیوں میں دھکیل دیا ہے اور ہمارا تماشہ دیکھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔"[15]

وَمِنَ النَّاسِ کی تفسیر:

11. وَمِنَ النَّاسِ کی تفسیر یان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہاں سے منافقوں کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ منافق اس کو کہتے ہیں جو زبان سے اسلام کا اقرار کرے لیکن دل سے منکر ہو۔ اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ کر دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے کئی موقع شناس اپنے آپ کو مسلمان بتانے لگے تھے۔ نیز وہ بد باطن حاسد جو کھلے طور پر اسلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے وہ مسلمانوں میں شامل ہو کر سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کا جال بچھا کر مسلمانوں کو پریشان کرنا چاہتے۔ ہجرت سے پہلے منافقین کا نشان نہیں ملتا۔ کیونکہ اس وقت مسلمان ہونا ہر قسم کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بننا تھا۔ اس لیے کسے کیا پڑی تھی کہ ایسے دین کے لئے مصیبتوں کو

14۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج:1، ص:31 — Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān, 31/1

15 ایضاً، ج:1، ص:32 — Ibid, 32/1

دعوت دے جس پر اس کا ایمان ہی نہیں۔ وہاں تو صرف وہ لوگ ہی اسلام قبول کرتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے لئے جان، مال، اولاد غرضیکہ سب کچھ قربان کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔"[16]

استہزاء کا معنی:

12. استہزاء کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" اللہ یستھزئ بھم کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی شرارتوں کا انتقام لیتا ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف استہزاء کی نسبت میں کوئی قباحت نہیں۔ نیز اہل عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی کام کسی فعل کی سزا دینے کے لئے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اسی لفظ سے کر دیتے ہیں جس لفظ سے اس فعل کی تعبیر کی گئی ہو جس پر سزا یا عتاب کیا جارہا ہے۔ مثلاً جزاء سیءۃ سیءۃ مثلھا۔ یعنی برے فعل کی جزاء بھی اسی طرح بری ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ سزا جو عدل وانصاف کا عین تقاضا ہوتا ہے بری نہیں ہوتی۔"[17]

اشْتَرَوُا اشتری کا معنی:

13. اشْتَرَوُا اشتری کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اشتراء کا معنی ہے خریدنا، قیمت ادا کر کے کوئی چیز لینا۔ یہاں اشتراء کا یہ معنی تب درست ہو سکتا تھا جب کہ منافقوں کے پاس دولت ایمان ہوتی اور اسے دے کر وہ کفر خریدتے۔ وہاں تو پہلے بھی کفر ہی تھا۔ اس لیے علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہاں اشتروا بمعنی استحبوا ہے یعنی انہوں نے کفر کو پسند کر لیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرماتے ہیں لغت عرب میں شراء کا لفظ ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل لینے کے معنی میں عام مستعمل ہے۔ والمعنی استحبوا الکفر علی الایمان۔ وانما اخرجہ بلفظ الشراء توسعا۔ والعرب تستعمل ذلک فی کل من استبدل شیئا بشیء۔"[18]

مَثَلُهُمْ کا لغوی منہج:

14. مَثَلُهُمْ کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مثل، مثل اور مثیل تینوں کا معنی نظیر ہے۔ لیکن اس کا عام استعمال ضرب المثل اردو کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور بطور استعارہ ایسی حالت کے بیان کو بھی کہتے ہیں جس میں ندرت اور اوپرا پن ہو۔ یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں مذکور ہوا ہے۔ یعنی ان منافقوں کی عجیب وغریب حالت ایسی ہے جیسے ان لوگوں کی جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔"[19]

أَوْ كَصَيِّبٍ کا لغوی معنی:

---

[16] ایضاً، ج:1، ص:34 — Ibid, 34/1

[17]۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج:1، ص:36 — Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān, 36/1

[18]۔ ایضاً، ج:1، ص:37 — Ibid, 37/1

[19] ایضاً، ج1 ص37 — Ibid

15. أَوْ كَصَيِّبٍ کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس آیت میں کئی چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ بارش، اندھیرے، بادل کی کڑک اور بجلی کی روشنی اور ایسے سمے میں سفر کرنے والا شخص۔ یہ سب مشبہ بہا رہیں۔ جب تک ان کے مشبہات یعنی یہ کن چیزوں کی تشبیہیں ہیں کا تعین نہ کرلیا جائے اس مثال کا حسن نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ بارش سے مراد اسلام، اندھیرون اور بادل کی کڑک سے مراد وہ مصائب اور مشکلات ہیں جنہوں نے چاروں طرف سے اسلام کو گھیر لیا تھا۔ اور بجلی کی روشنی سے مراد وہ فتوحات وغیرہ ہیں جو ان ناسازگار حالات میں اسلام کو حاصل ہوتی رہیں۔ جس طرح بارش مردہ زمینوں کو نئی زندگی بخش دیتی ہے اسی طرح اسلام مردہ دلوں کو نئی زندگی مرحمت فرماتا ہے۔ جیسے بارش برستے وقت گھنگھور گھٹائیں چھاجاتی ہیں اور تاریکی پھیل جاتی ہے۔ بادل کی خوفناک کڑک سے دل دہلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اسلام کا مینہ برستے وقت کھلی عداوتوں اور پوشیدہ سازشوں کا ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ فضا یکسر مکدر ہوگئی۔ مصیبتوں کے بادل گرجنے لگے۔ جو سچے دل سے ایمان لاچکے تھے نہ اندھیروں سے انہیں وحشت تھی نہ بادل کی کڑک سے وہ ہراساں تھے۔ مصائب کے ہجوم میں بھی وہ چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ لیکن وہ لوگ جو مذبذب تھے ان کی حالت عجیب ڈانواں ڈول تھی وہ اسلام کے حیات بخش چھینٹوں سے سیراب بھی ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مصائب کی تاریک گھٹائیں دیکھ کر مشکلات کی کڑک سن کر ان کے دل ڈوب ڈوب جایا کرتے تھے اور اسلام کا دامن چھوڑنے میں ہی انہیں اپنی سلامتی نظر آتی تھی۔ پھر اگر اسلام کو کوئی کامیابی نصیب ہوتی تو وہ اسلام کی طرف لپکنے کی تیاری کرتے ایسے میں اگر مصائب کا کوئی تند و تیز جھونکا آجاتا تو وہ بد دل ہو کر رہ جاتے۔"[20]

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا کی تفسیر میں لغوی انداز:

16. يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا کی تفسیر میں لغوی انداز اپناتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الضلال اصلہ الھلاک قرطبی ضلال کا اصلی معنی ہلاک ہونا ہے اور فسق عرف شرع میں کہتے ہیں۔ الخروج من طاعۃ اللہ عزوجل القرطبی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری سے نکل جانا۔ ان کی نافرمانی کی نوعیت اگلی آیت میں تفصیلاً بیان فرمادی۔ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرکے توڑ دینا، وہ رشتے اور تعلقات انفرادی اور اجتماعی جن کو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے ان کو قطع کرتے رہنا۔ اپنے جاہ و منصب کے لیے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد برپا کرتے رہنا۔ یہ ان کے کرتوت تھے۔ اور جن کے یہ کرتوت ہوں ان کو ہلاکت و تباہی سے کیونکر بچایا جاسکتا ہے۔"[21]

اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ کی تفسیر:

17. اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"استوی لفظ کے بعد جب الی ہو تو اس کا معنی قصد کرنا، ہوتا ہے اور اسی طرح متوجہ ہونا ہوتا ہے۔ اس لفظ سے مراد یہ ہے کہ زمین کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ اسمان کی طرف متوجہ ہوا اور اللہ عزوجل نے اپنی قدرت کاملہ اور بلیغ حکمت سے آسمان کو ایسے درست کیا کہ اس میں کوئی کمی اور نقص باقی

---

[20] تفسیر ضیاء القرآن، ج:1، ص:38 — Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān, 38/1

[21] ایضاً، ج:1، ص:42 — Ibid, 42/1

نہ رہنے دیا۔ان آیات سے علم تخلیق کائنات کی تفصیلات مراد نہیں۔بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسان کائنات غور کرے اور اس کو اور رب نے اس کی بقاء اور آسائش کے لئے جتنے مکمل انتظامات کئے ہیں ان سے جائز فائدہ اٹھائے اور اس کی ان عنایات بے پایاں کا شکریہ ادا کرے یہ اس ایت کا مقصد معلوم ہوتا ہے۔"[22]

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ میں ربک کی تفسیر:

18.وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ میں ربک کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"اس مقام پر رب مضاف ہے کہ ضمیر کی طرف جس کا مرجع ذات پاک مصطفی ﷺ ہے۔اس اضاف میں جو لطف ہے اس کا صحیح ادراک صرف اہل محبت و عرفان کا خاصہ ہے۔"

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

" كان۔ رمزا الى ان المقبل عليه بالخطاب له الحظ الاعظم فهو ﷺ على الحقيقة الخليفة الاعظم ولو لاه ما خلق آدم ولا ولا روح المعاني۔"

"حضور کریم ﷺ یعنی حضور کریم کی ذات مقدس ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہے۔اور یہ ذات گرامی نہ ہوتی تو آدم ہی پیدا نہ ہوتے بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا۔"[23]

لِلْمَلَائِكَةِ کی تفسیر:

19.لِلْمَلَائِكَةِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس کا واحد ملک ہے۔اس کا ماخذ اشتقاق الوکۃ ہے۔جس کا معنی ہے، پیغام رسانی، کیونکہ فرشتے اللہ تعالی کا پیغام اس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کے لئے مامور ہیں۔اس لئے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا۔ملائکہ کی حقیقت کیا ہے؟اس میں اتنے مختلف اقوال ہیں کہ ان کا احاطہ یہاں آسان نہیں۔علماء اسلام کے نزدیک ان کی حقیقت یہ ہے۔ انها اجسام لطيفة قادرة على التشكيل باشكال مختلفة۔یہ وہ لطیف اور نورانی جسم ہیں جو مختلف شکلیں بدل سکتے ہیں۔لا یراہم ما ہم علیہ الا ارباب النفوس القدسیۃ۔اور ان کو ان کی اصل شکل میں صرف اولیاء کاملین ہی دیکھ سکتے ہیں۔اور ہونا بھی یونہی چاہیے۔کیونکہ مختلف اشیاء کا شعور وادراک ایک ہی قوت سے نہیں ہوتا۔بلکہ مختلف قوتیں مختلف چیزوں کا شعور وادراک کرتی ہیں۔رنگت کا ادراک آنکھ سے اور حرارت کا چھونے سے ہوتا ہے۔نابینا اگر سرخ وسفید کو نہ سمجھ سکے تو وہ معذور ضرور ہے لیکن اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سرک وسفید کا انکار ہی کر دے۔اسی طرح ملائکہ جن کا تعلق عالم روح سے ہے اگر ظاہری حواس انہیں نہ پا سکیں تو وہ معذور ہیں۔اور وہ آنکھ جو عالم روح کے اسرار ولطائف کو دیکھ سکتی ہے۔وہ تو اس وقت روشن ہوتی ہے۔جب ریاضت اور مجاہدات سے تزکیۂ نفس ہو اور دل کا آئینہ چمکنے لگے۔جو لوگ سارے عمر لذات وخواہشات کے درپے رہتے ہیں۔جنھوں نے تزکیہ نفس کی اہمیت کا کبھی احساس نہیں کیا۔وہ اگر اس نورانی اور لطیف مخلوق کو نہ

---

[22] ایضاً،ج:1،ص:44 — Ibid, 44/1

[23]۔تفسیر ضیاء القرآن،ج:1،ص:45 — Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān, 45/1

دیکھ سکیں تو معذور ہیں۔ لیکن انہیں کسی طرح یہ زیبا نہیں کہ وہ ان نفوس قدسیہ کے مشاہدات کا انکار کریں جن کی چشم دل بیدار بھی ہے اور بینا بھی۔ اس لیے جن لوگوں نے فرشتوں کے وجود کا انکار کیا ہے۔ اور مختلف دور از کار اور رکیک تاویلیں کی ہیں ان کا انکار بھی علمی نہیں اور ان کی یہ تاویلیں بھی کسی ستائش کی مستحق نہیں۔"[24]

فرشتوں کا حضرت آدم علیہ سلام کو سجدہ کرنے کی تفسیر فرماتے ہوئے سجدہ کا معنی بیان کرتے ہیں:

"جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی وسعت علم اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو پروردگار عالم نے انہیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنی ہے وضع الجبھۃ علی الارض۔ پیشانی کا زمین پر رکھنا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنی مراد ہے۔ کہ فرشتون کو ادب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنی مراد ہے۔ یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔ اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ خاص ہے اسی وحدہٗ لا شریک کے ساتھ جو خالق و مالک ہے ساری کائنات کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کبھی بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں۔ بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اولین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لئے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے اس کی عزت واحترام کے لئے ہو عبادت کے لئے نہ ہو تو اس کو سجدہ تحیہ کہتے ہیں۔ یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم ﷺ نے اس سے بھی منع فرمادیا۔ اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔"[25]

آدم علیہ سلام کی توبہ کا ذکر کرتے ہوئے توبہ کا معنی کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"توبہ کا لغوی معنی رجوع کرنا ہے اور جب کہا تاب العبد کہ بندے نے توبہ کی تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ رجع الی طاعۃ ربہ۔ سرکشی چھوڑ کر وہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بن گیا اور اگر تاب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو پھر معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نادم اور شرمسار بندے کی طرف نظر رحمت فرمائی اور اس کا قصور معاف فرمادیا۔"[26]

20. وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ اس آیت میں صبر کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صبر کا معنی روکنے اور باندھنے کے کیے جاتے ہیں۔ اور اصبر سے مراد ارادے کا مضبوط ہونا ہے اگر انسان اپنے اندر یہ قوت پیدا کر لے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نماز کے ذریعہ اپنا رشتہ عبدیت اپنے رب حقیقی سے محکم کر لے تو پھر کوئی مشکل اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔"[27]

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ میں ظن کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[24] ایضاً۔ — Ibid

[25] ۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج:1، ص:48 — Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān, 48/1

[26] ایضاً، ج:1، ص:50 — Ibid, 50/1

[27] ایضاً، ج:1، ص:53 — Ibid, 53/1

"علماء لغت کے نزدیک ظن سے مراد بہت سے معانی کا ذکر کیا جاتا ہے۔اس لیے ان معانی کی روشنی میں ظن کا معنی شک بھی ہے اور یقین بھی۔اور اس آیت میں ظن بمعنی یقین استعمال کیا گیا ہے مومنین ان آیت سے مراد ہیں۔"[28]

الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی المن والسلوی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"من سے مراد ترنجبین ہے اور ترنجبین ایک قسم کی قدرتی شکر ہے جو اونٹ کٹارے یا اس قسم کی دوسری بوٹیوں کے کانٹوں پر شبنم کی طرح گر کر جم جاتی ہے اور سلویٰ بٹیر کو کہتے ہیں جو وادی سینا کا خاص پرندہ ہے۔کیونکہ یہ رزق لذیذ ان کو محنت و مشقت کے بغیر میسر آجاتا تھا اس لئے اسے من احسان فرمایا گیا۔اور بٹیر کے شکار میں ان کے مغموم اور افسردہ دلوں کی شگفتگی اور تازگی کا سامان بھی تھا اس لیے اسے سلویٰ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔"[29]

وَ الصّٰبِئِیْنَ الصابی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جو شخص ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اسے صابی کہتے ہیں اور اصطلاح میں ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے جو شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ توحید اور رسالت کے قائل تھے۔"[30]

سورہ فاتحہ اور سورہ البقرہ میں مندرجہ بالا جگہوں پر مفسر مرحوم نے بہت خوبصورتی اور عمدگی کے ساتھ فہم قرآن کا لغوی منہج اختیار کیا ہے اور اس کے مطابق تفسیر کی ہے۔تفسیر ضیاء القرآن میں مفسر نے تقریباً ہر سورت اور پارے میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے۔

2.3.4 سورہ آل عمران میں سے چند نمونے:

بِالْحَقِّ الحق کی لغوی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حق کا معنی امام راغب اصفہانی بہت اچھا بیان فرماتے ہیں۔ الحق للفعل والقول: الواقع بحسب مایجب وقدر مایجب وفی الوقت الذی یجب مفردات قول اور فعل کو حق کیلیے اسی وقت استعمال کیا جاتا ہے جب وہ قول اس طرح جو جیسے چاہیے اس اندازے سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزوں ہو۔اور اس وقت پایا جائے جب کہ اس کی ضرورت ہو۔قرآن کو بالحق کی صفت سے متصف کرکے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ قرآن آیا اور ایسی آن بان سے آیا جو اس کی شایان شان تھی۔ایسے دلائل و براہین سے مزین ہو کر آیا جن کو عقل سلیم ماننے پر مجبور تھی۔اور عین اس وقت آیا جب ہر طرف گھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔اور انسانیت کا کارواں دشت حیرت و ضلالت میں بھٹک رہا تھا۔اور اس وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے آیا جب عقل انسانی اپنی طفولیت کی سرحد عبور کرکے فکر و نظر کی وادی میں قدم رکھ چکی تھی۔اور انسان کے حواس کو مرعوب کرنے والے معجزات سے کہیں زیادہ عقل و خرد کو مطمئن کرنے والی آیات بینات کی ضرورت تھی۔ سبحان اللہ! کیا اعجاز ہے بالحق کے ایک لفظ میں معانی کا سمندر بند کرکے رکھ دیا ہے۔"[31]

---

[28] ایضاً، ج:1، ص:54 — Ibid, 54/1

[29] ایضاً، ج:1، ص:58 — Ibid, 58/1

[30] تفسیر ضیاء القرآن، ج:1، ص:62 — Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān, 62/1

[31] ایضاً، ج:1، ص:207 — Ibid, 207/1

الْفُرْقَانَ کو لغوی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لفظ فرقان کا معنی صرف الگ الگ کرنا نہیں جو لفظ، فرق، کا مفہوم ہے۔ بلکہ حق اور باطل کو الگ الگ کرنے کو فرقان کہا جاتا ہے۔ یہاں اس لفظ سے کون سی چیز مراد ہے ؟ علما سے متعدد اقوال منقول ہیں۔ لیکن امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ ان کے نزدیک بہترین قول یہ ہے۔ الفصل بین الحق والباطل یعنی حق و باطل میں تمیز کرنے والی قوت کو فرقان کہا جاتا ہے۔امام رازیؒ کے نزدیک وہ معجزات ہیں۔اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد عقل ہے۔کیونکہ اس سے بھی حق و باطل میں تمیز ہو سکتی ہے۔"[32]

21. "مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ" میں المحکم اور المتشابہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

محکم کی تعریف امام راغب نے یہ کی ہے۔ "فالمحکم ما لا يعرض فيه شبهة من حيث اللفظ ولا من حيث المعنى"

"مفردات محکم آیت وہ ہے جس کا مفہوم واضح اور مفصل ہو لفظی اور معنوی کسی قسم کا شک نہ ہو اور نہ ہی ہو سکتا ہو"

اور "المتشابه ما اشكل تفسيره اما من حيث اللفظ او من حيث المعنى"

"جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔"

فرمایا گیا ہے: "قرآن کی آیات بینات ہیں بالکل واضح اور ہر شک وشبہ سے 100 فیصد بالاتر ہیں۔اور یہ آیات ہیں جو کتاب کی اصل اور بنیاد ہیں۔اور بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جن کا مفہوم اور معنی واضح نہیں ہوتا اور ان میں مختلف تاویلات کرنے کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ جن کے دل حق سے دور ہوتے ہیں وہ عام قسم کے مسلمانوں کے سامنے آیات متشابہات کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو حقیقت کے منافی ہوتی ہیں۔"[33]

وَالرَّاسِخُونَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بعض علماء نے والراسخون کا عطف اللہ پر کیا ہے۔اس قول کے مطابق معنی یہ ہو گا کہ متشابہات کی حقیقی غرض اللہ تعالی اور علمائے راسخین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن دوسرے علمانے الا اللہ پر وقف کیا ہے اور والراسخون الخ کو مستقل جملہ قرار دیا ہے۔ان کے قول کے مطابق معنی یہ ہو گا کہ متشابہات کا علم صرف اللہ تعالی کو ہے۔اور علمائے راسخین نہ جاننے کے باوجود ان آیات کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔"[34]

وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ میں قائما بالقسط کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[32]۔ ایضاً، ج:1، ص:208 — Ibid, 208/1

[33]۔ تفسیر ضیاء القرآن، ج:1، ص:209 — Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān, 209/1

[34] ایضاً، ج:1، ص:210 — Ibid, 210/1

"قائما بالقسط ، علم نحو میں اس کو کچھ اس طرح سے حل کیا جاتا ہے کہ یہ حال ہے اور لفظ اللہ ذو الحال۔ اور دوسری اس طرح علماء نحو کرتے ہیں کہ لا الہ الا ھو میں ھو ضمیر اس کا ذوالحال ہے اور یہ حال معنی اس کی صفت بیان کیا جاتا ہے۔ اگر اسطرح ترکیب کی جائے تو اس میں یہ مشہود بہ میں داخل ہوگا۔ یعنی ان گواہوں نے اس کی وحدانیت کی بھی گواہی دی اور اس کے ساتھ اس کے عدل و انصاف کی بھی شہادت دی۔ بیضاوی ترجمہ اسی دوسری ترکیب کے مطابق کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف کسی ایک چیز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کائنات کی تخلیق، فطرت کے قواعد کلیہ، عقائد اور شریعت کے قوانین غرضیکہ ہر وہ چیز جس کو اس سے نسبت ہے وہ اس کے عدل و انصاف کی جیتی جاتی تصویر ہے۔" "تبارک اللہ احسن الخالقین۔"[35]

المِحْرَاب محراب کے لفظ کی لغوی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"محراب کا لغوی معنی ہے، اکرم موضع فی المجلس، مجلس میں جو سب سے باعزت جگہ ہو اس کو محراب کہتے ہیں۔ عموما اس حجرہ عبادت کو محراب کہا جاتا ہے۔ جو سطح زمین سے کچھ بلند بنایا جاتا ہے اور جس میں جانے کے لئے سیڑھیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہیکل سلیمانی کے ارد گرد ہیکل کے خادموں اور چلہ کشوں کے لئے جو کمرے بنے ہوئے تھے انہی میں سے ایک میں حضرت مریم مشغول عبادت رہا کرتی تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام کیونکہ ان کے سرپرست تھے اس لئے اکثر ان کی خبر گیری کے لئے ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔"[36]

لفظ عیسی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عیسیٰ عبرانی لفظ ایشوع کا معرب ہے اس کا معنی ہے سید اور سردار۔ یہاں اس فرزند کا تعارف کسی غیر سے نہیں کرایا جا رہا تاکہ اس کی ولدیت وغیرہ کا ذکر کر کے اسے دوسروں سے ممتاز کرنا مقصود ہو۔ بلکہ ان کی ماں کو ان کا نام بتایا جا رہا ہے۔ اور اس کے لئے اگر اسمہ عیسیٰ کہہ دیا جاتا تو کافی تھا۔ لیکن المسیح عیسیٰ بن مریم فرما کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ باپ نہ ہونے کے باعث ان کی نسبت ان کی والدہ مکرمہ کی طرف کی جائے گی اور قیامت تک اسی نام سے یاد کئے جائیں گے۔"[37]

2.3.5 سورہ النساء کی لغوی منہج کے چند نکات:

سورہ النساء کی ایت نمبر 3 میں أَلَّا تَعُولُوا کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لفظ تعلوا کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی حضرت ابن عباس اور مجاہد سے نقل کرتے ہیں: یقال عال الرجل یعول اذا جار ومال ومنہ قولہم عال السہم عن الھدف اذا مال عنہ : یعنی عال کا معنی ہے ظلم کرنا ایک طرف جھک جانا۔ جب تیر نشانہ سے ہٹ جائے تو کہتے ہیں عال السہم

---

[35] ایضاً، ج:1، ص:215 — Ibid, 215/1

[36] ایضاً، ج:1، ص:265 — Ibid, 265/1

[37] تفسیر ضیاء القرآن، ج:1، ص:269 — Tafsīr Ziā-ul-Qur’ān, 269/1

لیکن اس کا ایک اور معنی امام شافعی رح سے منقول ہے الا تعولوا ای لا تکثروا عیالکم کہ تمہارے بال بچے زیادہ نہ ہو جائیں۔ یعنی اگر تم ایک بیوی پر اکتفا کرو گے تو کثرت اولاد تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔"[38]

سورہ النساء کی ایت نمبر 4 میں نِحْلَۃً نحلہ کی لغوی تشریح فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"نحلۃ اس عطیہ کو کہتے ہیں جو خوشی خوشی کسی معاوضہ کے لالچ کے سوا دیا جائے۔"[39]

22. پیر کرم شاہ ازھری لغوی تشریح کرتے ہوئے ساتھ نصیحت بھی فرماتے ہیں جیسے سورہ النساء کی ایت نمبر 5 میں أَمْوَالَكُمُ اموالکم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس آیت میں دو لفظ آپ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ اموالھم ان کے مال کی بجائے اموالکم فرمایا کہ یتیموں کا مال اگرچہ انہیں کا ہے لیکن کیونکہ وہ اور تم سب ایک ملت کے فرد ہو اس لئے گویا وہ تمہارا ہی ہے۔ اس کی حفاظت اور نگہداشت بالکل یوں کرو جیسے اپنے مال کی کرتے ہو۔ وحدت ملی اور تکافل اجتماع کا یہ وہ محبت آفرین سبق ہے جس کی طرف قرآن ہر مناسب موقع پر ہماری توجہ مبذول کراتا ہے۔ دوسرا امر جو غور طلب ہے وہ آیت کا یہ حصہ ہے التی جعل اللہ لکم قیاما یعنی مال جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنایا ہے۔ ان الفاظ سے مال کی اہمیت اور قدر وقیمت کا اظہار مقصود ہے۔ یعنی مال فضول اور قابل نفرت چیز نہیں بلکہ یہ تو تمہاری معاشی خوشحالی اور ترقی کا ستون ہے۔ اگر تم اس کو بے جا خرچ کر دیا کرو گے تو تمہیں معاشی اور اقتصادی فارغ البالی نصیب نہیں ہو سکے گی۔ اسے سنبھال کر رکھو اور سمجھ کر خرچ کرو۔"[40]

23. سورہ النساء کی آیت نمبر 21 میں وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ افضی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"افضی افضاء سے ہے۔ فراء امام لغت نے اس کا معنی کیا ہے مرد و عورت کا تنہائی میں ملنا خواہ صحبت کے بغیر ہو۔"[41]

آیت نمبر 24 میں مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ محصنین اور مسافحین کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"محصنین کا معنی متعففین عن الزنا ہے یعنی پاکباز بنتے ہوئے اور غیر مسافحین کا معنی غیر زانین۔ ان کلمات سے نکاح کی غرض وغایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔"[42]

آیت نمبر 25 میں وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ اخدان کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اخدان جمع ہے اس کا واحد خدن اور خدین ہے۔ خدن اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ پوشیدہ برے تعلقات ہوں۔"[43]

---

[38] ایضاً، ج:1، ص:318 — Ibid, 318/1

[39] ایضاً۔ — Ibid

[40] ایضا، ج:1، ص:319 — Ibid, 319/1

[41] تفسیر ضیاء القرآن، ج:1، ص:331 — Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān, 331/1

[42] ایضاً، ج:1، ص:334 — Ibid, 334/1

24. آیت نمبر 31 میں سے اجتناب سیئہ اور کبیرہ گناہ کی بڑی تفصیل سے وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں :

ا۔ اجتناب کا کیا معنی ہے؟ ب۔ گناہ کبیرہ کسے کہتے ہیں؟ ج۔ تکفیر سیئات کا کیا مطلب ہے؟

ا۔ کسی ایسے کام کو جس کے دواعی اور اسباب موجود ہوں اسے اپنے ارادہ اور مرضی سے نہ کرنے کو اجتناب کہا جاتا ہے۔

ب۔ گناہ کبیرہ کے متعلق علما سے کئی اقوال منقول ہیں لیکن علامہ بیضاوی کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ ہر وہ فعل جس کے لئے شارع نے کوئی حد مقرر کی ہو یا اس پر عذاب کی دھمکی دی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔" والاقرب ان الکبیرۃ کل ذنب رتب الشارع علیہ حدا او صرح بالوعید فیہ"

حضور کریم صلی ﷺ نے مندرجہ ذیل گناہوں کو کبیرہ شمار کیا ہے:

1 اللہ تعالیٰ ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ 2 قتل بے گناہ۔ 3 پاکباز عورت پر بہتان۔ 4 یتیم کا مال کھانا۔ 5 زنا۔ 6 میدان جہاد سے فرار۔

7 اور والدین کی نافرمانی۔ اس شمار سے مقصود حصر نہیں ہے۔ احادیث میں ان کے علاوہ کئی اور امور کو بھی کبیرہ کہا گیا ہے۔

تکفیر سیئات کا مسئلہ:

"اس کے متعلق عام مفسرین نے تو یہی فرمایا ہے کہ نکفر کا معنی نمحو مٹا دینا اور نغفر بخش دینا ہے۔ لیکن حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے اس کی پاکیزہ اور معصوم فطرت متاثر ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ گناہوں سے اس کی نفرت ان سے انس میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لیکن جب کوئی شخص بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے اور ساری آسانیوں بلکہ اشتعال انگیزیوں کے باوجود وہ اپنا دامن بچانے کی سعی کرتا ہے تو اس کشمکش سے اس کے دل کے آئینہ سے زنگار دور ہونے لگتا ہے۔ طبیعت پھر اپنی کھوئی ہوئی صحت واپس لے لیتی ہے گناہوں سے پھر اس کو نفرت ہونے لگتی ہے۔ اسی حالت کو، تکفیر سیئات، کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔"[44]

خلاصۂ بحث

پیر کرم شاہ الازہری نے قرآنی کلمات کو ذکر کر کے ان کے تحت اردو زبان میں معانی مفہوم اور ان کے ترجمہ کرتے ہیں۔ اہم مقامات پر نمبر لگا کر جدید و قدیم کتب تفسیر سے احادیث نبویہ اقوال صحابہ و تابعین اور علماء کی آراء بھی ذکر کرتے ہیں۔ لغات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے احادیث، آثار اور لغت کے علاوہ عربی و فارسی اور اردو اشعار کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور اکثر صوفیائے کرام کے ارشادات پر اعتماد کرتے ہیں۔ مفسر اپنی تفسیر میں معاشرتی خرابیوں پر خصوصی توجہ کرتے ہوئے خوب تنقید بھی کرتے ہیں۔ گمراہ فرقوں کا رد بھی کرتے ہیں اور اپنے مسلکی نظریات کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی تفسیر میں سنت مطہرہ کی طرف توجہ مبذول کروائی لیکن ضعیف آثار کی چھان پھٹک نہیں کی گئی

---

[43] ایضاً، ج:1، ص:335 — Ibid, 335/1

[44] ایضاً، ج:1، ص:339 — Ibid, 339/1

۔اپنے دور میں اصل مصادر بآسانی دستیاب ہونے کے باوجود ثانوی مصادر سے کام لیا۔البتہ کئی ایک مقامات پر نحوی مسائل اور صرفی بحث ضرور کی گئی ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن میں مرحوم مفسر نے لغوی منہج کا بہت عمدگی سے خیال رکھا ہے۔